اُمّی شاعر سید صادق علی ''چھنگا صاحب'' حسینؔ جائسی

جناب مہذبؔ لکھنوی مرحوم

نقاب اُلٹ کے سامنے آتے بھی ہیں حسیں کہیں
دکھائی دیتے ہیں مگر کبھی کبھی کہیں کہیں

علم اور جہل دو متضاد چیزیں ہیں۔علم کی فضیلت اس کا بیان کرنا تحصیل حاصل ہے۔ ہرکس وناکس مدح وثنائے علم میں رطب اللسان ہے۔علم ہی وہ جوہر ہے جو صرف کرنے سے یقینا بڑھتا ہی رہتا ہے۔ انسان بحیثیت انسان سب یکساں ہیں۔صرف کمال علم ہی وہ نمایاں فضیلت ہے جس کی وجہ سے انسانیت کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے انسان اپنے ہم عصر، ہم خیال، ہم مشرب انسانوں کی صف سے آگے نظر آتا ہے۔

برخلاف اس کے جہل ایک ایسی بد بلا ہے۔جس کے نام سے دنیائے انسانیت کانوں پر ہاتھ رکھتی ہے انسان کو انسانیت کے بلند مرتبے سے پست کردینے والی چیز یہی جہل ہے۔لیکن اگر قدرت کسی ایسے انسان کو جس نے کبھی علم کی صورت ہی نہ دیکھی ہو (الف) اور (ب) کی قدوقامت وشکل وشمائل سے ناآشناء محض ہو۔ عالم کے دوش بدوش صاحب کمال کے پہلو بہ پہلو دیکھنا چاہتی ہے تو باوجود جہل نہ کسی کو قوت حافظہ ایسی جو غیر معمولی کہے جانے کے قابل ہو کسی کو قوت بیان جو دور حاضر کے مقررین میں نمایاں حیثیت رکھتی ہو۔کسی کو خوش گوئی جو ہم عصر شعرا میں طرۂ امتیازی حاصل کرلے۔عطا کرکے انسانیت کے اس بلند مرتبے پر پہنچا دیتی ہے جہاں بڑے بڑے مقرر بڑے بڑے شاعر نازک خیال کا طائر خیال اپنی رسائی کو معراج کمال تصور کرتا ہے۔

قدرت کا منظور نظر غیر معمولی انسان۔لکھنؤ کی سرزمین پر ایک ایسا باکمال گذرا ہے۔جس کا نام سید صادق علی عرف چھنگا صاحب تھا۔تخلص حسینؔ۔

یہ بزرگ خاندان اجتہاد کی ایک فرد تھے مگر بالکل اَن پڑھ نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا۔ دوسروں سے اپنا مرثیہ لکھواتے تھے اور منبر پر دوسرے کی مدد سے پڑھتے تھے جس کے لکھنے والے ابھی لکھنؤ میں زندہ ہیں اور مرثیہ لکھنے والے جناب حکیم سید محمد عباس صاحب سابق منیجر معدن الادویہ جو آج کل حیدرآباد میں مقیم ہیں۔ماشاءاللہ بقید حیات ہیں۔

یہ ضرور ہے کہ مرثیے کم کہے مگر جو کچھ کہا ایسا کہا کہ بڑے بڑے خوش گویان لکھنؤ کے دانت کھٹّے کردیئے ایک مرثیہ موصوف نے نہایت برمحل جاڑہ وہ بھی بہار کے ساتھ نظم فرمایا ہے۔اہل ذوق نے آج تک دنیا کی چیزیں دیکھی اور سنی ہوں گی مگر مرثیے میں جاڑہ نظماً نہ دیکھا ہوگا۔ یہ پہلی ہستی ہے جس نے جاڑے کے متعلق ایسی بلند پروازی کی ہے اور وہ وہ نازک خیالات جمع کئے ہیں جس کی داد کما حقہٗ دی ہی نہیں جاسکتی۔موصوف مرحوم نے ۱۹۴۰ء میں۔ ۶۰/سال کی عمر میں دنیا سے انتقال فرمایا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے امام باڑہ غفرانمآب کی سرزمین کو آباد کیا۔صحن میں دفن کئے گئے۔ (مورخہ ۲۵/جون ۱۹۵۲ء)

مرثیہ

موسم سرما میں سفر جناب سید الشہدا ؑ اور شہادت جناب علی اصغر ؑ

(۵۳ / بند)

روضۂ احمد مرسل کا ثنا خواں ہوں میں
یعنی قبر شہ لولاک پہ قرباں ہوں میں
اپنی قسمت پہ نہ کس طرح سے نازاں ہوں میں
ہر گھڑی چشم تصور سے نگہباں ہوں میں
فلک سے پاس ہے گو دور کلس اس کا ہے
نور میں برق سرطور کلس اس کا ہے

اس کے گنبد کا نہیں گنبد گردوں بھی جواب
اور سبک یوں کہ خجل جس سے ہے دریا کا حباب
رنگ وہ سبز ہے، سبزہ کو بھی ہے جس سے حجاب
اس پہ پوشش ہے کہ ہے چہرۂ یوسف پہ نقاب
ایک عالم نہ ہو کس طرح سے شیدا اس کا
خیرگی کرتی ہیں آنکھیں وہ ہے جلوا اس کا

طور سینا کا کہوں اس کو اگر ہم پایا!
عرش سے اس کا کسی طرح نہیں کم پایا
زلزلے سے نہ ہو جنبش وہ ہے محکم پایا
نور اس نے صفت نیر اعظم پایا
پست ہو کوہ بھی گر اس کے قریب آجائے
مہر بھی دب کے نہ گر جائے تو ٹکرا جائے

صحن یوں صاف ہر اک جس میں کہ چہرہ دیکھے
چشم حق بیں ہو تو قدرت کا تماشا دیکھے
آنکھ گر کور نہ ہو مہر کا جلوا دیکھے
یعنی ہر ذرے میں یاں برق تجلا دیکھے
فرش سے عرش تلک اس کی ضیا پھیلی ہے
چاندنی اس کے مقابل میں بہت میلی ہے

کیوں نہ اس روضۂ اقدس پہ ہو دل سب کا فدا
پانچ مینار شہادت کے لئے ہیں بخدا
دور سے دیکھنے والوں کو یہ چلتا ہے پتا
پنجتن ؑ میں جو ہے اول یہ ہے اس کا روضا
راست جو بات ہے سب سے وہی بس کہتا ہے
ان کو معراج ہوئی ہے یہ کلس کہتا ہے

خیر یاں تک تو ہوا روضۂ اقدس کا بیاں
اب میں اس شہر کا رتبہ بھی کروں سب پہ عیاں
یہ وہ خطہ ہے کہ ہے معدنِ اسلام جہاں
یعنی رہتے تھے اسی جا پہ رسول ؐ ذیشاں
سب یہیں دیکھنے آتے تھے نبی ؐ کا جلوہ
یاں سے پھیلا تھا رسول ؐ عربی کا جلوہ

ہے یہاں ایک محلہ جو بنی ہاشم کا
آج تک دید کے قابل ہے اسی جا کی فضا
جلوہ افگن ہے وہاں قصر رسولؐ دو سرا
اب وہاں رہتی ہے اولادِ علیؑ اعلیٰ
گھر میں احمدؐ کے ہے سرکار حسین ابن علیؑ
اب وہیں ہوتا ہے دربار حسین ابن علیؑ

زینت مسند محبوب خدا ہیں شبیرؑ
اس زمانے میں بس اک عقدہ کشا ہیں شبیرؑ
نورِ عینِ اسدِ ربِّ عُلیٰ ہیں شبیرؑ
اور دلبند رسول دو سرا ہیں شبیرؑ
ان سا رہبر نہیں اب راہ بتانے والا
دین اسلام کی کشتی کا بچانے والا

گھر ہے آباد کہ فرزند بھی ہے دختر بھی
بھانجے بھی ہیں بھتیجے بھی ہیں اور خواہر بھی
دوست بھی مونس و ہمدم بھی ہیں اور یاور بھی
تاج بھی آپ کا ہے تخت بھی اور لشکر بھی
دیں کے رہبر ہیں ادب شہ کا سبھی کرتے ہیں!
سلطنت مثل رسولؐ عربی کرتے ہیں!

رحم دل، عقدہ کشا، امت احمد کے شفیق
عدل میں شکل علیؑ مثل محمدؐ کے خلیق
طرز تقریر وہ پتھر کا ہو دل جس سے رقیق
اور مظلوم بھی ایسے کہ ترس کھائیں فریق
سخت سے سخت ہو تکلیف تو یہ جبر کریں
صبر ایوب کی کیا اصل ہے، وہ صبر کریں

بعد احمد رہے کچھ دن تو غرض یوں ہی امام
اک قیامت ہوئی دشمن ہوا جب حاکم شام
خط پہ خط لکھ کے ضیافت کا دیا شہ کو پیام
دل میں سوچا کہ مٹا دوں میں نشان اسلام
نام دعوت کا جفا پیشہ نے مشہور کیا
ہر طرح سید مظلوم کو مجبور کیا

آخر کار سفر پر ہوئے تیار حسینؑ
یک بیک ہوگئے صدموں میں گرفتار حسینؑ
ردِّ دعوت ہے حرام اس سے ہیں ناچار حسینؑ
گھر سے جانے کو ہیں اب بادلِ خونبار حسینؑ
خاک اُڑانے کے لئے بادصبا آتی ہے
اب مدینے کے گلستاں سے فضا جاتی ہے

اس طرح ملتا ہے مشہور کتابوں سے پتا
چوتھی شعبان کو رخصت ہوئے سب سے آقا
یعنی ویران ہوئی قبر رسولؐ دو سرا
ایک بیمار تھی دختر اسے تنہا چھوڑا
ساتھ لے کر رفقا با حشم و جاہ چلے
کام امت کا بنانے کے لئے شاہ چلے

قافلہ چھوٹا سا وہ اور پُر آشوب سفر
منزلوں تک نظر آئی نہ کہیں شکل بشر
مارواژدر کہیں پنہاں تو کہیں شیر کا ڈر
ساتھ بچے کہیں گرمی کہیں سردی کا خطر
شہ کو پر فکر نہیں ردّ بلا کرنے کی!
ہے خوشی وعدۂ طفلی کے وفا کرنے کی

فصل ایسی ہے کہ سردی کا زمانہ آخر
کُہرا پڑنے سے نہیں دھوپ بھی ہوتی ظاہر
برف باری سے نشیمن میں ہیں پنہاں طائر
زمزمہ کرنے سے بلبل کی زباں ہے قاصر
دھیان آتا ہے تو بلبل کے جگر کانپتے ہیں
ایسی ٹھنڈی ہے ہوا جس سے شجر کانپتے ہیں

برف باری سے بیاباں کا ہے سبزہ پامال
پالا کھانے سے ہیں ٹھٹھرے ہوئے جنگل میں نہال
اوس میں بھیگ کے شبنم کا برا ہے احوال
پھل ہے جو باغ میں، ہے اس پہ بھی فالج کا خیال
گر بشر کھائیں ہوا واں کی تو ہوں تن نیلے
آج تک ہیں اسی دن سے لب سوسن نیلے

اوس پڑنے سے ہے بھیگی ہوئی صحرا کی زمیں
طائروں کو بھی بُرودت سے کہیں چین نہیں
انقلاب ایسا نہ آیا ہے تہ چرخِ بریں
بلبلیں بیٹھی ہیں لالے کی انگیٹھی کے قریں
بال و پر اوس سے بھیگے ہوں تو راحت کیسی
آتش گل میں برودت ہے حرارت کیسی

حکما کو بھی ہے اب مہر کی حدت میں کلام
دھوپ بھی چاندنی کی طرح سے دیتی نہیں کام
برد اطراف بیاباں کی زمیں کو ہے تمام
سر کھلے رہتے ہیں فوّاروں کو کیوں ہو نہ زکام
آب میں تھی جو روانی وہ تھمی جاتی ہے
دھار ہر ایک برودت سے جمی جاتی ہے

جام بلّور بعینہ ہوا ہر ایک حباب
مچھلیاں پانی کے جمنے سے پھنسی ہیں تہ آب
ہیں شکنجے میں تو جنبش نہیں کھاتے گرداب
دانت بجتے ہیں گہر کے، نہیں سردی کی جو تاب
جو حباب آب میں ہے غنچۂ سربستہ ہے
اس پہ کیا آج تلک آب گہر بستہ ہے

کیا بیاں کیجئے اللہ رے سردی کا اثر
وہی ٹھٹھرے ہوئے تھے جو کہ لب جو تھے شجر
ہے حبابوں کا یہ عالم کہ اٹھاتے نہیں سر
چادر آب میں لپٹے ہوئے بے حس ہیں مگر
پانی جم جانے سے موجہ تو کہاں اُٹھتا ہے
منھ سے گرداب کے ہر بار دھواں اُٹھتا ہے

برف اس حد کی گری ہے کہ وہ صحرا ہے سفید
کوہ اسود تھا جو پہلے وہی سارا ہے سفید
منزلوں دیکھئے میدان میں سبزا ہے سفید
سنگ مرمر کی طرح سامنے دریا سفید
پانی جمنے سے سمندر میں کہاں جوش ہے آج
جو شجر بن میں ہے گویا وہ کفن پوش ہے آج

نیلے سردی سے ہوئے جاتے ہیں جو پھول ہیں لال
برف باری سے ہیں سب باغ میں بیلیں پامال
ہیں سفید آج کے دن سنبل پیچاں کے بھی بال
بس ہو تو دھوپ کی چادر میں لپٹ جائیں نہال
آہ بلبل سے کلیجے کی رگیں ٹوٹتی ہیں!
کونپلیں خوف سے سردی کے نہیں پھوٹتی ہیں

آج کل کانپتے ہیں دیکھ کے جو جوسوئے آب
دھوکا پانی کا انھیں دے کے ڈراتا ہے سراب
عقل کہتی ہے کہ سردی کی جولائے نہیں تاب
کرۂ نار کے پاس اُٹھ کے گئے اس سے سحاب
مختصر یہ کہ برودت کی وہ ارزانی ہے
مہر کے ظرف میں بھی آگ نہیں پانی ہے

کچھ بھی حدت ہو تو سردی کا یہ عالم جائے
باغ سے اُڑ کے ہر اک قطرۂ شبنم جائے
کانپنا مہر کا بھی وقت سحر تھم جائے
نہ ہلیں دل، نہ رگِ گل میں لہو جم جائے
نالہ کش بلبل شیدا نہ رہے ایذا سے
پھوٹ کر بو نکل آئے گلِ سربستہ سے

کیوں نہ عالم کے ہو ہر کام میں کہرے سے فتور
شبِ تیرہ سے سوا اس کا اندھیرا ہے ضرور
زمزمہ سنج اسی سے نہیں گلشن میں طیور
رات دن ایک ہوں تو عقل کا کیا اس میں قصور
روشنی غرب سے تا شرق نہیں پاتے ہیں
رات اور دن میں کوئی فرق نہیں پاتے ہیں

قمریاں سرو پہ جاتی ہیں نہ بلبل سوئے گل
کوئلیں جا کے چھپی ہیں تہ زلفِ سنبل
کرۂ نار میں بھی نار نہیں اب بالکل
مشعل مہر درخشاں بھی ہوئی اس سے گل
سرد وہ دھوپ کی چادر ہے کہ جلتی ہی نہیں
آگ پتھر سے نکالو تو نکلتی ہی نہیں

جانور جانوں سے بیزار نظر آتے ہیں
برف کے دشت میں انبار نظر آتے ہیں
طُرفہ دنیا کے کچھ آثار نظر آتے ہیں
یعنی بلّور کے اشجار نظر آتے ہیں
بلبلیں باغ میں بیکار بھی اب روتی ہیں
برگ ہیرے کے جو ٹکڑے ہیں تو گل موتی ہیں

ایسی سردی میں چلے جاتے ہیں سلطان ہدا
وہ ہوا سرد، پُر آشوب وہ پٹ پڑ صحرا
جسم سن ہوگئے ایسا ہے بہ شدت جاڑا
تیر کی طرح سے آتا ہے ہوا جھونکا
آج کل بارش شبنم سے زمیں گیلی ہے
ہے برودت کی یہ حد جلد فلک نیلی ہے

راہواروں کی بھی سردی سے ہے اب کم رفتار
وہ بھی مضطر ہیں بلندی پہ ہیں جو ناقہ سوار
زرہیں بھیگی ہوئی ہیں، برف ہوئے ہیں ہتھیار
اینٹھتی ہیں تو کڑکتی ہیں کمانیں ہر بار
جوہر تیغ گلابی ہوں تو دھانی ہوجائیں
تیر ترکش سے نکل آئیں تو پانی ہوجائیں

اُٹھ نہیں سکتے ہیں سردی سے پیادوں کے قدم
تھرتھراتی ہیں سنانوں کا ہے اب یہ عالم
لپٹے جاتے ہیں پھریروں کی رداؤں میں علم
برف کے بار سے تیغیں بھی ہوئی ہیں سب خم
لہر آتی نہیں ہے آب میں تلواروں کی
باگیں اینٹھی ہوئی ہیں بھیگ کے رہواروں کی

اوس پڑنے سے ہر اک شے ہے جہاں کی سیلی
پتیاں ڈھالوں کے پھولوں کی ہوئی ہیں نیلی
ہے پُر از آب گھڑی دشت کی مٹی گیلی
ڈابیں کمروں کی کسی جاتی ہیں جو تھیں ڈھیلی
بن میں سبزے پہ بچھے ہیں گل تر شبنم کے
کلغیوں میں فرسوں کی ہیں گہر شبنم کے

تیز ایسی ہے ہوا جس سے لرزتے ہیں جگر
دست و پا سن ہوں تو پھر چل سکیں مرکب کیونکر
مہر بھی چرخ پہ اوڑھے ہے گھٹا کی چادر
خشک ہوتی ہی نہیں یوں ہے زمیں اوس سے تر
بچے مضطر ہیں تو ہیں شہ بھی پریشانی میں!
جو عماری ہے وہ ڈوبی ہوئی ہے پانی میں

اس طرح سے ہے رواں قافلۂ شاہ زمن
زحمتیں راہ میں ایسی ہیں کہ ہے دل پہ محن
جس میں جانوں کے ہیں کھٹکے وہ پرآشوب ہے بن
بیچ میں شاہ ہیں اور گرد دلیران وطن
راہ طے ہو رہی ہے عزت و توقیر کے ساتھ
سب بہادر ہیں رواں عترت شبیرؑ کے ساتھ

الغرض وارد کعبہ ہوئے جب شاہِ انام
ہے یہ مشہور کہ حضرت نے کیا واں پہ مقام
چند ہی روز ہوا تھا ابھی اس جا پہ قیام
کہ نہ لینے دیا اعدا نے وہاں بھی آرام
ہو کے مجبور بصد رنج و محن آہ چلے
حج کو عمرہ سے بدل کر شہہ ذی جاہ چلے

اب وہ دن ہیں کہ جنھیں کہتے ہیں ایام بہار
ابتداء موسم گرما کی ہے اور دھوپ ہے بار
گرم چلتی ہے ہوا اُٹھتا ہے جنگل میں غبار
ضو سے ذرّوں کی زمیں دشت کی ہے آتشبار
چادر خاک اسی آگ سے تو جلتی ہے
دوپہر ہوتی ہے جب گرم ہوا چلتی ہے

طے بہر طور ہوا جاتا ہے حضرت کا سفر
دشتِ پُر خار سے گہہ، گہہ ہے پہاڑوں سے گذر
ایسے پُر ہول بیاباں میں ہے سو طرح کا ڈر
جھاڑیوں میں کہیں بیٹھے ہوئے ہیں شیر بَبر
منھ نکالے ہیں کسی جا پہ مگر پانی سے
ہول آتا ہے کہیں بحر کی طغیانی سے

الغرض راہ وہ طے کرتے ہوئے شاہ ہدا
جا رہے ہیں نہ کوئی ڈر ہے نہ کوئی کھٹکا
بندۂ خاص جو ہیں سبط رسولؐ دو سرا
کام ہے اس کی خوشی سے نہیں اپنی پروا
مطمئن لاکھ بلاؤں میں ہیں شیر ایسے ہیں
دکھ کو آرام سمجھتے ہیں دلیر ایسے ہیں

ہے یہ مشہور روایت ہے خبر اس کی عام
وہ سفر پانچ مہینے میں ہوا جب کہ تمام
واردِ دشتِ بلا ہوگئے سلطانِ انام
آئے میدانِ شہادت میں امام ابن امام
سب نے ساماں کئے یہ دلبر حیدرؑ کے لئے
خیمے استادہ کئے آل پیمبرؐ کے لئے

فوجیں اعدا کی پھر آنے لگیں کثرت سے وہاں
جمع ہونے لگے اس دشت میں سب بد ایماں
اور مہیّا ہوئے پیکار کے سارے ساماں
تھے جو آمادہ پئے قتل شہنشاہ زماں
فکریں ان سب کو ہوئیں نہر کے لے لینے کی
چھیڑ ہونے لگی دریا سے ہٹا دینے کی

الغرض شاہ پہ ہونے لگے جب ظلم سوا
رفع شر کرنے کو شبیرؑ نے چھوڑا دریا
دور ساحل سے ہوئے آپ کے خیمے برپا
واں بھی بے دینوں نے پرچین سے رہنے نہ دیا
حیف صد حیف دمِ تشنہ دہانی نہ ملا
ساتویں سے شہ مظلوم کو پانی نہ ملا

تین دن تک رہی سب آل نبیؐ تشنہ جگر
دہم ماہ محرم کو ہوا اک محشر
قتل ہونے لگے انصار شہ بحر و بر
خون سادات سے مقتل کی زمیں ہوگئی تر
حیف صد حیف بصد جور و جفا قتل ہوئے
ظہر تک شاہ کے سارے رفقا قتل ہوئے

اب ہیں تنہا شہ مظلوم بصد رنج و الم
دل کو مجروح کئے دیتا ہے احباب کا غم
نہ ہے لشکر نہ علمدار نہ لشکر کا علم
خیمۂ عترتِ احمدؐ میں ہے شور ماتم
جو ہیں خاصانِ خدا ان کو سبھی روتے ہیں
فاطمہؑ روتی ہیں جنت میں نبیؐ روتے ہیں

دیکھ کر خیمے عزیزوں کے بھری شہ نے آہ
کہا سب چھپ گئے نظروں سے مرے نور نگاہ
اب نہ اکبرؑ ہیں نہ عباسؑ علیؑ ذی جاہ
دوپہر میں کیا اعدا نے بھرا گھر یہ تباہ
قدر امت نے یہ کی فاطمہؑ کے جانی کی!
ننھے بچوں کو بھی اک بوند نہ دی پانی کی

ناگہاں سوئے فلک یاس سے شہ نے دیکھا
مرنے پر کھینچ کے پھر ٹوٹی کمر کو باندھا
گئے رخصت کے لئے خیمے میں سلطانِ ہدیٰ
حال اصغرؑ کا وہ دیکھا کہ نہ دکھلائے خدا
مٹھیاں بند ہیں منکا بھی ڈھلا جاتا ہے
ہچکیاں پیاس سے آتی ہیں غش آجاتا ہے

پیاس کا اصغرؑ ناداں پہ جو صدمہ دیکھا
تھام کے ہاتھوں سے دل بیٹھ گئے شاہ ہدا
گود میں لے کے یہ بانو سے بہ منت پوچھا
ان کو لے جاؤں، عجب کیا کوئی پانی دے ذرا
دیکھ کر صاحب اولاد ترس کھائیں گے
پانی مل جائے ذرا سا، تو یہ جی جائیں گے

کان میں پھر شہ والا نے یہ اصغرؑ کے کہا
چلتے ہو باپ کی نصرت کے لئے اے بیٹا!
اللہ اللہ اثر بات میں کیا شاہ کی تھا
ننھے سے ہاتھ اُٹھاکر علی اصغرؑ ہُمکا
تھا اشارہ نہیں اب زیست گوارا بابا
ہم کو اس پیاس نے بے موت ہی مارا بابا

اُٹھے شہ اصغر مہرو کو لئے ہاتھوں پر
فرش پر گر پڑی ماں تھام کے ہاتھوں سے جگر
لے چلے جب تو وہ کہنے لگی یہ پیٹ کے سر
پھر کے کب آؤگے؟ اتنا تو بتا دو اصغرؑ
سن لو، دنیا میں ہمیشہ نہیں جینا بیٹا
بے پئے شاہ کے تم پانی نہ پینا بیٹا

سن کے یہ شاہ کے دل پر چلا اک خنجر غم
نکلے خیمے سے پسر کو لئے سلطان اُمم
حشر کے روز سے کچھ دھوپ نہ تھی اس دن کم
چھاؤں کرنے کے لئے قبلۂ عالم ہوئے خم
گرد کے دھیان سے دامن جو قبا کا ڈھانپا
للّہٗ ابر نے خورشید کا چہرا ڈھانپا

الغرض ایک بلندی پہ گئے شاہ ہدا
دی صدا صاحب اولاد ہو جو دیکھے ذرا
ایک معصوم پئے آب ہے گھر سے نکلا
تین دن ہوگئے پانی کا نہ قطرہ پایا
بول سکتا ہے نہ دکھ درد سُنا سکتا ہے
نرگسی آنکھوں سے ہر ایک کا منھ تکتا ہے

سن کے جو صاحبِ اولاد تھے دل ان کا ہلا
حال پر اصغرؑ معصوم کے روئے اعدا
شمر بے دیں نے کہا حرملہ سے دیر ہے کیا
آب پیکاں سے ہو تر خشک یہ ننھا سا گلا
قطع جلدی سے کلامِ شہ والا ہوجائے
کہیں ایسا نہ ہو لشکر تہ و بالا ہوجائے

سن کے یہ ہوگیا آمادہ جفا پروہ شریر
ہاتھ میں لے کے کماں لیس ہوا وہ بے پیر
تیر چلّہ میں رکھا، تاک لیا حلق صغیر
اس کا چھٹنا تھا کہ بچہ ہوا ہاتھوں پہ اخیر
حلق اصغرؑ کا چھدا شاہ کا بازو ٹوٹا
رن میں بانو کی کمائی کو اجل نے لوٹا

رہ گیا شاہ کے ہاتھوں پہ تڑپ کر بچہ!
سینے سے شاہ نے لپٹا کے کہا شکر خدا
خونِ ناحق نہ زمیں پر گرے یہ دھیان جو تھا
لے کے چلو میں ملا منھ پہ یہ اعدا سے کہا
سرخرو ہوں گا رسولؐ دو سرا کے آگے
اسی صورت سے میں جاؤں گا خدا کے آگے

قطعات

اسیفؔ جائسی

حسینؑ ابن علیؑ لو! کربلا آباد کرتے ہیں
نبیؐ کے لال پر اہل جفا بیداد کرتے ہیں
پیمبرؐ کے گھرانے کی کروں تعریف کس منھ سے
یہاں بچے تلک طرزِ سخن ایجاد کرتے ہیں

سمجھ کر جو پڑھے قرآن وہ انسان اچھا ہے
جو سمجھائے زمانے کو کلامِ حق وہ دانا ہے
کتاب پاک کے ایسے بھی عاشق ہم نے دیکھے ہیں
کوئی جھولے سے پڑھتا ہے کوئی نیزے پہ پڑھتا ہے